رجسٹرڈ نمبر ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے
سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲	۱۵ مئی ۱۹۵۴ء	ایڈیٹر قاضی عبدالغفار	۱۲ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ	نمبر ۳۴

"تقسیم اور علیحدگی" کا جذباتی انتشار

اتر پردیش میں آج کل ریاست کی تقسیم کا ایک عجیب سوال اٹھایا گیا ہے۔ لیکن وہ کچھ ایسا عجیب بھی نہیں، اگر ہم یہ بات یاد رکھیں کہ گذشتہ کی تقسیم کے بعد ہندوستان میں۔ تقسیم اور علیحدگی کی روح بہت تیزی سے مصروف عمل ہے۔ نئی نئی ریاستوں کے بنانے اور پرانی ریاستوں کو کاٹنے اور چھانٹنے کا تصور ہر طرف دماغوں کو منتشر کئے ہوئے ہے، اور کچھ نہیں معلوم کہ یہ اونٹ کس کل بیٹھے گا۔ الا یہ کہ ہم اس اونٹ سے وہی پرانا سوال کر سکتے ہیں کہ:

"اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی"

جہانتک یہ مسئلہ سیاسی ہے وہ ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے لیکن چونکہ اس مسئلے میں لسانی سوال بہت نمایاں ہے اس لئے اس کے بہت سے پہلو ہمارے لئے دلچسپ ہیں۔ اتر پردیش میں اور اسی طرح دلی کی ریاست میں یہ سوال زیر بحث ہے کہ اتر پردیش کے اضلاع دہلی میں شامل کر کے دہلی کی ریاست کو خود کفیل بنا دیا جائے۔ اس مسئلے میں موافق اور مخالف خیالات کا خوب ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ حال ہی میں اتر پردیش کے وزیر اعظم نے اپنی ایک تقریر میں بہت جذباتی شدت کے ساتھ اس ریاست کے ضلعوں کو کاٹ کر دہلی میں شامل کرنے کے خلاف ایک دھواں دھار تقریر کی جس میں انھوں نے فرمایا کہ:

"بھارتی تہذیب اور ہماری زبان بھارت پر چھائی ہوئی ہے اور خود ہمارے صوبے کے اندر زبان کا کوئی اختلاف نہیں ہے جس کی بدولت مدراس کے ایسے صوبے کی تقسیم ہوئی۔ ہندی یا اردو ہندو یا مسلمان یا عیسائی ہم سب زندگی کی ایک خاص روح رکھتے ہیں اور آئندہ بھی آپس میں مل کر رہنے کی ضرورت ہے۔"

یہ امر کہ ہمارے صوبے میں زبان کا کوئی اختلاف نہیں ہے ہمارے لئے ایک بڑی خوشخبری ہے۔ ہم شروع ہی سے یہ دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ اردو اور ہندی ایک ہی زبان کی دو شکلیں ہیں۔ لیکن حکومت کو ان لوگوں کی تائید حاصل ہے انھوں نے اردو زبان کو ایک غیر ملکی زبان قرار دیکر اس صوبے کو نہ صرف لسانی بلکہ تہذیبی اعتبار سے بھی تقسیم کر دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم اپنے صوبے کے وزیر اعظم کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے صوبے کے اندر زبان کا کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ اصحاب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں جو حکومت کے متولی بنے ہوئے ہیں۔ اگر اس تمام مسئلے کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے کہ ایک ہی زبان کی ایک شکل ایسی ہے جس کو سرکاری قرار دیا گیا ہے اور ایک ایسی جس کی حیثیت علاقائی ہے اور جو سرکاری حکومت کی سرپرستی اور امداد کی مستحق ہے تو پھر کوئی بھی جھگڑا باقی نہیں رہتا اور سرکاری اور علاقائی زبان کو اپنا اپنا حق مل جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ اتر پردیش کی ریاست کو تقسیم کیا جائے یا نہ کیا جائے ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے لیکن چونکہ اس بحث کے دوران میں ریاست کے وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس صوبے کے اندر زبان کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس بیان کی مزید وضاحت ہو جائے کہ آیا اس بیان کے معنی یہ ہیں، جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس صوبے میں ایک ہی زبان مختلف شکلوں میں رائج ہے یا اس بیان کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کا دعویٰ صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اردو زبان

کا کوئی وجود ہی اس صوبے میں بہ حیثیت ایک زبان کے نہیں، اس بحث میں مخالفین کی ہنگامہ خیزی کچھ ایسی ہے کہ جو چیز حاصل نہیں ہوتی وہ ذہنی سکون اور یکسوئی ہے!

"شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا"

اردو کا مسئلہ

فرقہ واری پلیٹ فارم پر

باوجودیکہ اردو کی حمایت میں جس گوشے سے بھی کوئی آواز اٹھے وہ ہمارے لئے تو خوشگوار ہونی چاہئے لیکن سوال کسی بھی فرقہ واری پلیٹ فارم سے اردو کی حمایت کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اول تو اردو زبان کا مسئلہ ہماری نظر میں بنیادی طور پر یکسر غیر فرقہ واری ہے، اس کی پیدائش اور ترقی میں فرقہ پرستی کا کوئی شائبہ بھی نہیں، لیکن اس کے مخالفین کا سارا زور یہ ثابت کرنے میں صرف ہو رہا ہے کہ یہ زبان تنہا مسلمانوں کی زبان ہے۔ لہٰذا اگر کسی فرقہ واری محاذ پر اردو کی حمایت میں آواز بلند ہوتی ہے تو مخالفین کے لئے اپنے دعوے پر استدلال کا ایک پہلو نکل آتا ہے۔

حال ہی میں ایک "مسلم" کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی تھی جس کی قراردادیں اخباروں میں شائع ہوئی ہیں۔ اس "مسلم" کانفرنس کا تخیل کس زرخیز دماغ کی پیداوار تھا اور اس وقت اس کے انعقاد کی کیا ضرورت پیش آئی، یہ تو کچھ ہمیں معلوم نہیں، لیکن جب ہم نے اس کی منظور کردہ ایک قرارداد اردو کے متعلق پڑھی جو اس اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج کی گئی ہے، تو ہمیں یہ خیال آیا کہ اس "مسلم" پلیٹ فارم پر یہ قرارداد پیش نہ ہوئی ہوتی تو بہتر ہوتا۔ اس کانفرنس سے اتر پردیش کے بعض مسلم کانگریسی اراکین اسمبلی نے بھی اصولی اختلاف کیا ہے، لیکن جب ہم بحث کے سیاسی پہلو کو نظر انداز کر کے صرف اردو کے متعلق اس قرارداد کے افادی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس پلیٹ فارم پر اردو زبان کا نام لیا جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

یہ صحیح ہے کہ قرارداد میں اردو زبان کی غیر فرقہ واری نوعیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے لیکن پلیٹ فارم کا فرقہ واری ہونا قرارداد کی افادیت کو یقیناً کم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس قرارداد کے دوش بدوش مسلمانوں کے مخصوص حقوق اور مطالبات کی ایک قرارداد بھی موجود ہے۔ ہر شخص دونوں قراردادوں کو ایک ساتھ ہی پڑھے گا اور ایک ہی ذہنی ماحول میں دونوں مسئلے نمایاں ہوں گے۔

اچھا ہوتا اگر ایسا نہ ہوتا، اور بہت اچھا ہوگا کہ جو لوگ نیک نیتی کے ساتھ بھی مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات کے لئے کوئی جداگانہ پلیٹ فارم بنائیں اور اردو کے مسئلہ کو اس پلیٹ فارم پر نمایاں نہ کریں۔ انجمن ترقی اردو شروع ہی سے اس مسئلے کو ہر قسم کے فرقہ واری نعروں اور تحریکوں سے (وہ کتنی ہی نیک اور ضروری ہوں) بچا کر لے جا رہی ہے۔ صرف یہی جواب ان لوگوں کی بدگوئی کا ہو سکتا ہے جو ہر موقع پر اپنی فرقہ پرستی پر پردہ ڈالنے کے لئے اردو کی تحریک کو فرقہ واری تحریک ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے اس موقع پر جو خطبۂ صدارت پڑھا اس میں پوری شدت کے ساتھ فرقہ واریت کی مذمت کی گئی تھی لیکن خود بخشی صاحب کو بھی یہ کہنا پڑا کہ کانفرنس میں بعض تقریروں کا رویہ قابل اعتراض تھا۔ ہماری سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آئی کہ آخر اس قسم کی کانفرنس کا انعقاد کس درجہ کی ذہنیت تھی اور اس کے انعقاد کا مقصد کیا تھا۔ بہرحال یہ بات ہمارے خیال میں بالکل مدبرانہ نہ تھی کہ اس پلیٹ فارم پر اردو کے مسئلے کو پیش کیا گیا۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— الٰہ آباد میں ایک جلسہ ہوا، یہ جلسہ نرالا پرشاد کی سرپرستی میں ہوا۔ اس جلسے میں اول تو اردو زبان کو علاقائی زبان تسلیم کرنے کے مطالبہ کی شدت کے ساتھ مخالفت کی گئی اور صدر جمہوریہ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اس یادداشت پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائیں جو اردو کے چند "اسکالرس" نے ان کے سامنے پیش کی ہے۔

——— پھر ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے اس یادداشت پر دستخط کئے ہیں وہ سب رجعت پسند ہیں اور وہ عوام کی خواہش کے نمائندے نہیں ہیں ——— پھر کہا گیا کہ اس قسم کی تحریک قومی اتحاد کو خطرے میں ڈالتی ہے ——— اور ٹیپ کا بند یہ تھا کہ ہندی زبان کو ترقی دینے کے لئے ایک جداگانہ اور آزاد وزارت قائم کی جائے!!

——— ایک صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ موجودہ وزیر تعلیم بالکل ہندی نہیں جانتے اس لئے وہ کیونکر ہندی کی ترقی و ترویج کا فرض انجام دے سکتے ہیں ——— "جان غزل" اور "حاصل کلام" آپ کا یہی نکتہ ہے کہ کسی طرح وزارت تعلیم کو وزارت ہندی بنا دیا جائے!! کانگریس کے بڑوں میں ایک صرف مولانا ہی کی ایک ذات باقی رہ گئی تھی جس کی طرف انگلی اٹھانے کی ہمت مشکل سے ہوتی تھی، لیکن ٹنڈن جی اب وہ راستہ بھی صاف کر رہے ہیں!!

——— کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ لگے ہاتھوں وزیر اعظم نہرو کا معاملہ بھی طے کر دیا جائے۔ وہ نہ صرف ہندی نہیں جانتے بلکہ غضب یہ کرتے ہیں کہ ہندی کے حامیوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے رہتے ہیں!! ——— اور یہی نہیں بلکہ قیامت تو یہ ہے کہ اردو کے لئے اکثر کلمۂ خیر بھی کہہ دیتے ہیں!!

—— ہند پارلیمنٹ میں اڑیسہ کے ایک ممبر نے وزیر مالیات مسٹر اجیت پرشاد جین سے کچھ سوالات ہندی زبان میں پوچھے، مگر افسوس ہے کہ وزیر موصوف اس زبان کو سمجھنے سے قطعی قاصر رہے! لطف یہ ہے کہ وزیر مالیات خود بھی بہت اچھی ہندی جانتے ہیں۔ مگر جب انھوں نے ایک ممبر کی زبان سے "—— شدھ ہندی ——" سنی تو اعتراف کرنا پڑا کہ قدرت نے ہیرے کے لئے سوا سیر بھی پیدا کیا ہے اور ہندی زبان میں دوسرے لوگ ان سے کہیں زیادہ قابلیت رکھتے ہیں —— جب یہ ہندی پارلیمنٹ میں بولی گئی تو اتفاق سے نائب پریزیڈنٹ ڈاکٹر رادھا کرشنن بھی موجود تھے انھوں نے دیکھا کہ وزیر مالیات شدھ ہندی کو سمجھنے سے قاصر رہے تو انھوں نے یہ کہہ کر معاملہ کو رفع دفع کرنا چاہا کہ "—— یہ شدھ ہندی سننے والے کے سر سے بہت اونچی ہے ——" ایک کمیونسٹ ممبر نے شدھ ہندی کو سن کر فرمایا کہ "—— کیا واقعی یہ ہندی زبان بولی گئی ہے یا یہ کوئی دوسری زبان ہے ؟ ——"

—— القصہ پارلیمنٹ میں جو شدھ ہندی بولی گئی اس نے تمام ممبروں کو شدھ کر ڈالا۔ شدھی کے لئے ضروری نہیں کہ شدھ زبان کو سمجھا بھی لیا جائے مگر بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ آل انڈیا ریڈیو سے جس ہندی کا پرچار ہوتا ہے اسے عام لوگ نہیں سمجھتے لیکن یہ شکایت قطعی بے جا ہے، ہمارا خیال ہے شدھ ہندی کو ترقی دینے کے لئے آسان بنانے کی کوشش ہرگز نہ کی جائے۔ کیوں کہ شدھ ہندی وہی ہو سکتی ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آسکے۔ اگر وہ عام فہم بنا دی گئی تو وہ کوئی اور زبان ہو جائے گی۔ شدھ ہندی نہ رہے گی جو لوگ عام فہم ہندی کا مطالبہ کرتے ہیں وہ دراصل چور دروازے سے داخل ہو کر ہندی کی مخالفت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہندی کے نام سے ہندوستانی رائج ہو اور اس طرح ہندی کی حیثیت ختم ہو جائے۔ بس ہندی کا معیار یہ ہے کہ وہ عام طور پر کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ اگر ہندی آسانی سے سمجھ لی جائے تو فوراً کہہ دو کہ وہ ہندی نہیں ہے!

—— (الجمعیۃ)

—— پٹنہ کے ایک سمپوزیم میں مسٹر منگل بھائی ڈیسائی نے جو مہاتما گاندھی کے پیرووں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، دوران مباحثہ میں یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر ہندی کو یونیورسٹیوں میں بھی ذریعہ تعلیم بنایا گیا تو قومی اتحاد کو سخت نقصان پہنچے گا۔ وہ اور ان کی طرح تعلیم کے متعدد ماہرین اب بھی اس رائے پر زور دے رہے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں بھی ذریعہ تعلیم مادری زبان ہونی چاہئے ہندی کی حیثیت سرکاری زبان صرف ایک لازمی مضمون قرار دی جائے —— ٹنڈن جی کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ تحریک اردو والوں کی طرف سے نہیں اٹھائی گئی ہے اور نہ منگل بھائی ڈیسائی کی مادری زبان اردو ہے!!

—— حیدرآباد کی اردو کانفرنس کے صدر استقبالیہ نے حیدرآباد سے اردو ادب اور شاعری کے گہرے اور قدیم تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں کے حکمران شعرا میں میر عثمان علی خاں (موجودہ راج پرمکھ) کا نام بھی بحیثیت ایک ممتاز شاعر کے شامل کیا ہے!

—— لیجئے تو ہم کیونکر کہیں کہ میر عثمان علی خاں کی "شاعری" سے ڈاکٹر زور ناواقف ہو گئے۔ لیکن سابق اور آخری نظام دکن کا نام ممتاز شعرا کی فہرست میں داخل کرتے ہوئے ڈاکٹر زور نے اپنی حقیقت شناسی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا! اگر میر عثمان علی خاں کا شمار بھی ممتاز شعرا اور ادیبوں میں کیا جا سکتا ہے تو پھر اس زمانے کے تمام ادیبوں اور شعرا کو اپنے فن سے استعفا دے دینا چاہیے۔

بہار میں ریاستی اردو کنونشن

کے لئے ابتدائی تیاریاں

پٹنہ:- بہار ریاستی اردو کنونشن کی مجلس استقبالیہ کی دو حالیہ نشستوں میں سابق صدر مجلس استقبالیہ مسٹر شفیع بیرسٹر وزیر تعمیرات حکومت بہار کے غیر متوقع استعفے کو افسوس کے ساتھ قبول کیا گیا اور جناب سید جعفر امام ممبر کونسل آف اسٹیٹ (دہلی) کو بالاتفاق صدر مجلس استقبالیہ بہار ریاستی اردو کنونشن منتخب کیا گیا۔ تاریخ کے تعین کے سلسلے میں یہ غور کیا گیا کہ ابھی فنڈ کی پوری فراہمی نہیں ہوئی ہے۔ اور پھر رمضان کا پورا مہینہ بیچ میں آجانے کے باعث کنونشن کے بہت سے کارکنان کام کرنے سے مجبور رہیں گے۔ لہٰذا عید کے فوراً بعد ۵، ۶ جون (سنیچر و اتوار) یا ۱۲، ۱۳ جون (سنیچر و اتوار) جن تاریخوں میں بھی مجوزہ صدر اجلاس پنڈت سندر لال صاحب اپنی سہولتوں کے پیش نظر تاریخیں متعین کریں یہ کنونشن منعقد کیا جائے۔

یہ بھی طے پایا کہ تاریخوں میں مزید توسیع نہ کی جائے گی یہ تاریخیں قطعی ہیں۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ وزیر اعلیٰ بہار ڈاکٹر شری کرشن سنہا سے کنونشن کا افتتاح کرنے کی درخواست کی جائے۔ علاوہ ازیں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، پنڈت سندر لال، ڈاکٹر ذاکر حسین، پنڈت کشن پرشاد کول، قاضی عبدالغفار، راجندر سنگھ بیدی بھی خصوصی طور پر کنونشن میں شرکت فرمائیں گے۔

ایک مشاعرے کے انعقاد کا بھی امکان ہے جس میں جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، سردار جعفری، شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری، جوش ملسیانی، رئیس صدیقی، پرویز شاہدی، تلوک چند محروم، کنور مہندر سنگھ سحر اور تمام مقامی اور صوبائی قابل ذکر شعرائے کرام کی شرکت کی توقع کی جاتی ہے۔

حیدرآباد (دکن) میں ایک شاندار اجتماع

حیدرآباد ۳۰ اپریل۔ کل حیدرآباد اردو کانفرنس کا افتتاح اسٹانلی گرلس اسکول میں آج ۵ بجے شام وزیر تعلیمات شری گوپال راؤ ایکبوٹے نے پرجوش تالیوں کی گونج میں فرمایا۔

کانفرنس کا وقت یوں تو ۵ بجے مقرر تھا لیکن جلسہ گاہ میں مہ بجے ہی سے اراکین استقبالیہ اور مہمان جمع ہونا شروع ہو گئے۔ حیدرآباد کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اردو کانفرنس میں ہندی، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی کے ادیب و شاعر بھی موجود تھے اور حیدرآباد کی تمام زبانوں نے اس کانفرنس کا سواگت کرتے ہوئے اردو کی ترقی کے لئے اپنی پوری پوری تائید کا اظہار کیا۔

اس اجلاس میں نواب مہدی نواز جنگ وزیر تعمیرات، اپوزیشن لیڈر مسٹر وی۔ ڈی دیش پانڈے۔ نواب اعظم جنگ سابق وزیر تعلیمات۔ نواب عزیز نواز جنگ سابق وزیر صرف خاص نواب سعید جنگ سابق چیف جسٹس، مسٹر ایل۔ این گپتا معتمد تعلیمات مسٹر ظہیر الدین احمد اکاؤنٹنٹ جنرل مسٹر احمد علی خان وظیفہ یاب صوبہ دار۔ نواب ناظر یار جنگ، ڈاکٹر سید عبداللطیف، مسٹر تقی بلگرامی معتمد صنعت و حرفت مسٹر باقر علی مرزا۔ میجر ہمایوں مرزا، مسٹر حمید الدین محمود۔ نواب زین یار جنگ، پروفیسران جامعہ و طلبا و اساتذہ و ارکان اسمبلی کے علاوہ کئی معزز و ممتاز عہدہ دار و شہری شریک تھے۔ کانفرنس میں ہندو بھی شریک تھے۔ مسلمان بھی تھے۔ سکھ بھی تھے اور پارسی بھی۔

باہر سے آنے والے مہمانوں میں علاوہ صدر کانفرنس پنڈت کشن پرشاد کول کے قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو اور سید احتشام حسین صاحب (لکھنو) بھی موجود تھے۔

ریاست کے چیف منسٹر شری رام کشن راؤ کانفرنس کا افتتاح فرمانے والے تھے لیکن ناسازی مزاج کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ ان کے بجائے وزیر تعلیم نے کانفرنس کا افتتاح فرمایا۔

چیف منسٹر صاحب نے اپنے پیام میں لکھا تھا کہ:۔

"مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اردو زبان سے تعلق رکھنے والے اداروں کی جانب سے ایک کل حیدرآباد اردو کانفرنس ۳۰ اپریل ۱۹۵۵ء کو انعقاد کرنے والے ہیں آپ کا مقصد نہایت اچھا اور قابل قدر ہے۔ اردو زبان کی صحت مند ترقی کے تعلق سے ایک اچھی فضا پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ ہمارے دستور میں ۱۵ اہم زبانوں کو اہمیت کے ساتھ ایک اسٹیٹس اور درجہ دیا گیا ہے آج کے تبدیل حالات کے تحت اردو کی ترقی کے ذرائع پیدا کئے جانے کے تحت توجہ کرنا از بس ضروری ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس کانفرنس کو ہندی اور یہاں کے دیگر مقامی زبانوں کا تعاون حاصل ہے میں اس کانفرنس کی شاندار کامیابی اور اس کے مقاصد کی ترقی کے لئے دل سے دست بدعا ہوں۔"

وزیر تعلیم کی تقریر

کانفرنس کا افتتاح فرماتے ہوئے شری گوپال راؤ ایکبوٹے وزیر تعلیم نے فرمایا کہ:۔

"یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ ۱۹۵۳ء کے بعد یہ دوسری مرتبہ اردو کانفرنس کے انعقاد کی کوشش کامیاب طریقے پر کی جا رہی ہے اس کانفرنس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے انعقاد میں مختلف زبانوں مثلاً تلنگی، مرہٹی، کنڑی اور ہندی کو ترقی دینے کا کام عملی طور پر انجام دینے والی کئی انجمنوں کی مشترکہ مساعی بھی شامل ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو، اردو کانفرنس اور پریم چند سوسائٹی جیسی قدیم اور اردو زبان کو فروغ دینے کی مسلسل کوشش کرنے والی انجمنوں کے سر اس کانفرنس کے انعقاد کا سہرا ضرور ہے۔ ادارہ ادبیات اردو علمی اور ادبی میدان میں تقریباً ۳۳ سال سے اردو کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

حیدرآباد صحیح معنوں میں پانچ زبانوں کا سنگم بنا ہوا ہے۔ اس عبوری دور کو اگر نظر انداز کر دیا جائے جو سیاسی الٹ پلٹ کا نتیجہ تھا تو ہم اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ حیدرآباد میں زبان کی بنا پر بہت کم جھگڑے ہوئے یا ہو سکے ہیں۔ ہندوستان آزاد ہوا اور یہاں کے باشندوں نے اپنی ایک نمائندہ جماعت کے توسط سے ایک دستور مرتب کر لیا اور اسی دستور کے بعض دفعات میں زبان کے تعلق سے پالیسی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ دستور نے کل پندرہ زبانوں کو ہندوستانی زبانیں ہونا تسلیم کر لیا ہے اور ان زبانوں کے نہ صرف بقا بلکہ ان کی ترقی کی بھی ضمانت دی ہے۔ ایسی حالت میں زبان کی بنیاد پر آئے دن جو فروعی نزاعات نظر آتے ہیں اس کی وجہ دراصل علم و ادب نہیں ہے بلکہ میری ناقص رائے میں سیاسی مقاصد میں جس کے حصول کے لئے ان نزاعات کو پیدا کیا جاتا۔ اور ان کو کھول کر استعمال کیا جا رہا ہے لیکن جہاں تک کہ علم و ادب یا ثقافت کا تعلق ہے۔ دستور میں ان پندرہ زبانوں کو ایک خاص مقام دیا گیا ہے۔ جہاں ہندی کو قومی زبان تسلیم کیا گیا ہے اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اندرون ۱۵ سال اسکو قومی زبان کے طور پر عملاً استعمال کیا جانے لگا، وہاں بقیہ ان زبانوں کے ترقی کی بھی ضمانت دے دی گئی ہے اس دستوری حیثیت کے بعد مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ خواہ اردو ہو یا اور کوئی زبان ہو جس کو کہ دستور نے

قبول کیا ہے اس کا مستقبل کیونکر تاریک ہو سکتا ہے یا اس کی ترقی کی راہ میں کسی قسم کے روڑے اٹکائے جا سکتے ہیں اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ نہ صرف دستور کے مندرجہ احکام کی خلاف ورزی ہوگی بلکہ ایسی بے جا مساعی عملی طور پر بھی یقیناً ناکام ہوں گی۔ دستور نے ان زبانوں کا تعلق ہندی قومی زبان سے کیا ہے اور ان زبانوں کا آپس میں کیا رشتہ ہوگا۔ اس کو کئی دفعات میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو آنکھیں رکھ کر بھی اس حقیقت کو دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ اپنی تنگ نظری کو مختلف طریقے سے دوسرے کے سر تھوپنا چاہتے ہیں ان کے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ خدا ہمیں ایسے علم دوست اصحاب سے بچائے کوئی زبان دوسری زبان کو ختم کر کے ترقی نہیں کر سکتی اور نہ کسی زبان کے عروج کے لئے یہ لازمی ہے کہ دوسری زبان کو ختم کیا جائے۔ اگر آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں تو میں کہوں گا کہ کوئی زبان کسی کے ختم کرنے کے ارادے اور کوشش سے کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ زبان ایسی کوششوں کے باوجود ختم نہ ہو سکی بلکہ زیادہ پھلی اور پھولی۔ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کسی زبان کی ترقی کا صحیح راستہ یہی ہے کہ وہ اپنی زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبان کی ترقی کی بھی کوشش کرے تاکہ ایک دوسرے کے ربط سے دونوں زبانوں کی ترقی ہو۔ آج دنیا کئی ظاہری وجوہ کی بنا پر سمٹ کر مختصر سی ہوتی جا رہی ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک زبان کا اثر دوسری زبان پر ہو اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ بہ نسبت گزشتہ کے ہندوستان کے کئی زبانوں نے اور خصوصاً اردو نے ایسے اثرات قبول کر کے ترقی کی کئی ایسی کٹھن منزلیں مشکلات کے باوجود طے کی ہیں۔ ہندی قومی زبان قرار دیئے جانے کے بعد جو قربت ہندی کو اردو سے ہے۔ اس سے مجھے یقین ہے کہ اردو کا مستقبل شاندار ہے۔ جو اصحاب دل سے اردو علم و ادب کی ترقی چاہتے ہیں، وہ زیادہ خدمت اس زبان کی کریں گے۔ اگر وہ اپنے دامن کو جماعتی سیاسیات سے الگ رکھیں اور حتی الامکان اس امر کی کوشش کریں کہ دوسری زبانوں سے مل جل کر اپنی ترقی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہی راز ہندی کی ترقی کا بھی ہے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو ادارہ ادبیات اردو کو آج جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ کارکنان ادارہ نے اپنے آپ کو سیاسی الجھنوں سے دور رکھا اور صرف زبان اور اردو ادب کی خدمت کی۔ کسی دوسری زبان کی کامیابی کے لئے بھی کسی ماحول میں یہی ایک نسخہ کارگر ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں مجھے یقین ہے کہ چاہے کتنے بھی نامساعد حالات رونما ہوں اردو اپنی منزلیں طے کرتی رہے گی اس لئے اردو دوست اصحاب نہایت ادب سے مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ فضا صاف ہوتی جا رہی ہے، تعصب اور تنگ نظری ہر طرف یقیناً ختم ہوگی۔ اردو اور دوسری زبانوں کے لئے بھی ایک شاندار مستقبل مجھے نظر آتا ہے۔

سنہ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے حساب سے ریاست حیدرآباد میں تقریباً (۲۰) لاکھ ایسے لوگ ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ ان کے علاوہ ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جن کی مادری اردو نہیں ہے لیکن وہ اردو علم و ادب سے کافی واقفیت اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ حکومت حیدرآباد نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم بچے کی مادری زبان میں دی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس اصول سے وہ نونہالان ملک جن کی مادری زبان اردو ہے۔ لازمی طور پر مستفید ہوں گے اور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آج ریاست حیدرآباد میں کل (۱۹۱۹) اردو جماعتیں مختلف مڈل اسکول اور ہائی اسکول کی شامل ہیں جہاں (۱۵۰۵۱۴) بچوں کی تعلیم کا انتظام ان کی مادری زبان اردو میں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کئی پرائمری اسکولس قائم ہیں جہاں کہ اردو ذریعہ تعلیم ہے۔ حکومت کی یہ پالیسی بہت صاف ہے کہ خواہ اردو ہو یا کوئی اور زبان جہاں ۱۵ بچے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہاں جماعت کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ نہ صرف اردو بلکہ گجراتی اور دیگر زبانوں کے لئے کئی جماعتیں ریاست میں قائم ہیں۔ میں حکومت کی جانب سے یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ حکومت ہر زبان کے لئے مساوی مواقع ہمیشہ فراہم کرتی آ رہی ہے اور آئندہ بھی کبھی اس میں تبدیلی نہیں کرے گی۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ بعض گوشوں میں اس کھلی پالیسی کے باوجود اردو کی کیفیتوں کی بنیاد پر کچھ وہم، کچھ بدگمانی اور کچھ اندیشہ ضرور ہے۔ میں ایسے تمام اصحاب سے التجا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس وہم و بدگمانی اور اندیشہ کو خدا کے لئے ترک کر دیں اور جہاں اس پالیسی کی تکمیل میں ضرورت ہو وہ سنجیدہ مشورہ دیں۔ حکومت اسے ہر وقت قبول کرنے پر آمادہ ہوگی۔ کسی زبان کے لئے کیوں نہ ہو ایک اچھی فضا اس کی ترقی کے لئے بہترین ضمانت ہو سکتی ہے۔ خدا کے فضل سے آج فضا کی گندگی بہت حد تک دور ہو چکی ہے اور عوام آہستہ آہستہ تعمیری کاموں کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہیں جہاں تک حکومت کا تعلق ہے آپ جو بھی مسائل یہاں سوچیں گے اور غور کرنے کے بعد جو بھی ان کا حل نکالیں گے اس پر ہمدردانہ غور کرنے کے لئے حکومت ہر وقت تیار اور آمادہ ہے۔ میں اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے پرمیشور سے پرارتھنا کرتے بڑی مسرت سے کانفرنس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔ (جے ہند)

خطبہ استقبالیہ

مجلس استقبالیہ کے صدر ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے خطبہ استقبالیہ پڑھتے ہوئے کانفرنس کے شرکاء کا خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ:-

یہ شہر جس میں آپ جمع ہوئے ہیں تقریباً چار صدیوں سے علم و فضل اور شعور سخن اور ترقی پرور تحریکوں کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کی بنا ایک آزاد خیال شاعر اور مہر و محبت کے دلدادہ بادشاہ محمد قلی قطب شاہ نے ڈالی تھی۔ اس شہر کے تعمیری خاکے میں رنگ بھرنے والے میر محمد مومن

استر آبادی جیسے مین قومی شہرت کے فاضل ادیب اور شاعر تھے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں پہلی بار علم و فضل، سائنس اور فنون کو ایک دیسی زبان کی غلامی اور قید سے آزاد کیا گیا اور اردو زبان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی گئی جس نے ہر علم و فن کو اردو میں منتقل کرنے اور اس کی تعلیم دینے کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا۔ اس شہر کی خوش بختی تھی کہ صرف قطب شاہی بادشاہوں نے بلکہ آصف جاہی حکمرانوں نے بھی ہمیشہ اس کو تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کا گہوارہ بنائے رکھا۔ اس میں سے اکثر نے خود بھی اردو کو اپنے خیالات کے اظہار اور شعر گستری کا ذریعہ بنایا۔ سلطان الحسان فرماں رواؤں کے اس طویل سلسلے میں کم از کم محمد قلی قطب شاہ۔ محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے نام اردو زبان اور ادب کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان تینوں کے اردو دیوان اور تحریریں شائع ہو چکی ہیں اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اردو کے ارتقائی مدارج میں اردو کے صاحب کمالوں اور اردو کے اداروں کی سرپرستی کرکے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد اس ملک کی دوسری زبانوں کو ترقی دینے کی جو کوششیں مختلف سمتوں سے کی گئیں وہ کچھ اس جوش اور تیزی سے روبہ عمل لائی گئیں کہ اس دوڑ میں ہماری زبان اردو اور اس کے بولنے والے کچھ تو چل گئے اور کچھ پیچھے رہ گئے۔ آزادی ملک کے فوری بعد جو غیر متوقع واقعات و حالات پیش آئے انھوں نے سب سے زیادہ مضر اثر اگر کسی پر ڈالا تو وہ اردو زبان اور اس کے بولنے والے ہی تھے۔ اس ریل پیل نے انھیں کچھ ایسا پراگندہ اور سراسیمہ کر دیا تھا کہ وہ آزادی کی لائی ہوئی نعمتوں سے پوری طرح لطف اندوز نہ ہو سکے۔ ہم اہل اردو اپنے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ ہمیں اپنی زبان کی صلاحیتوں اور عوام کی توانائیوں پر پورا بھروسا ہے۔ ہندوستانی عوام سے اس زبان کے جو ناتے ہیں وہ آسانی سے ٹوٹنے والے نہیں ہیں۔ اس کی جڑیں شمال و جنوب، مشرق و مغرب ہر خطہ ہند کے باشندوں کے قلوب میں پہنچ چکی ہیں۔ جہاں سے زمانے کا ہاتھ بھی انھیں اکھیڑ نہ سکے گا۔ ہمیں کسی سے شکایت نہیں۔ ہمیں گلے شکوے کی عادت بھی نہیں ہے۔ ہم ماضی کا ماتم بھی نہیں کریں گے۔ جتنا مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ میرے لئے یہ انتہائی مسرت کی بات ہے کہ اردو کے مختلف پہلوؤں کو چاہنے والے قدیم طرز کے شیدائی ہوں کہ ترقی پسندی کے دلدادہ سب یہاں ایک متحدہ محاذ پر آج جمع ہیں۔ اور سب کا یہ اٹل ارادہ ہے کہ اردو کو باقی رکھنے اور اس کو ترقی دینے اور اس کو اس کا جائز مقام دلانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

کچھ عرصے سے اردو کے خدمت گزار مختلف راہوں پر چل رہے تھے۔ ان سب کے دل میں اردو کی محبت کی شمع جل رہی تھی اور اس دور افراتفری و تاریکی میں یہی ان کی رہبر و راہ نما تھی۔ راہیں مختلف ہونے پر بھی اگر لگن ایک ہی ہو تو یہ توقع بے جا نہیں کہ ایک نہ ایک دن مل جائیں گی۔

خطبہ صدارت

پنڈت کشن پرشاد کول صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ :۔

ہماری زبان یعنی اردو اس وقت نہایت نازک دور سے گزر رہی ہے۔ اکثر ہندی والے اور خاص کر اتر پردیش کی حکومت آج اس کے درپے آزار ہے۔ ہندی ملک کی زبان قرار پائی اور جو مرتبہ اس کو دیا گیا اس کا اب کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم اس فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر چکے ہیں اور اس کی اشاعت اور ترقی ہم سب کا فرض ہے۔ لیکن ہمارے آئین و دستور نے اور علاقائی زبانوں کے ساتھ اردو کو بھی برابری کا مرتبہ دیا ہے تو پھر اس کے ساتھ ناروا بغض کیوں ہے مشکل سے سمجھ میں آتا ہے اور اس واردات کے خمیازوں کا پورا احساس کچھ انھیں کو ہے جن پر بیت رہی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حکومت کی توجہ اور سہارا زبان اور ادب کے نشوونما میں بہت کچھ سازگار ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ زبانیں بنتی اور بگڑتی ہیں ان کے بولنے والوں اور چاہنے والوں کے حوصلہ اور ہمت یا لاپرواہی اور غفلت سے۔ حکومت کی بے اعتنائی یا مخالفت کسی زبان کو اگر اس کے بولنے والوں اور چاہنے والوں میں ہمت و حوصلہ ہے مٹا نہیں سکتی۔ دوسری بات ذہن نشین کرنے کی یہ ہے کہ جیتی جاگتی زبانیں اپنے دور کے لحاظ سے چولا بدلتی رہتی ہیں جامد و ساکت نہیں رہ سکتیں۔

انیسویں صدی کے آخر تک ہمارا ادب رؤسا و شرفا کی ہی زبان و کلچر کا ترجمان رہا۔ اس نے پست طبقوں اور عوام الناس کی طرف سے بے توجہی برتی۔ بیسویں صدی میں پریم چند اور ان کے رفیق کاروں نے زبان و ادب کا معیار ایک حد تک اور بدلا۔ اب ہماری زبان اور ادب کسان مزدور اور غریب جنتا کی معاشرت و اخلاق اور ان کی تباہ حالی کا آئینہ دار بنی۔ پریم چند نے ایسی سیدھی سادی زبان کو رواج دیا جو ہندی اور اردو، دونوں کے کام آسکے اور اس زندگی کے نقشے کھینچے کہ جن کا تعلق رؤسا و شرفا سے نہیں بلکہ دیہاتی آبادی اور شہر کے نچلے متوسط طبقوں سے تھا۔ اب ہماری زبان اور ہمارا ادب نئے دور جمہوریت اور سائنس کی ترجمانی کرنے لگا۔ ترقی پسند ادب نے پچھلے بیس برس میں اس فضا کو اور ابھارا اور انقلاب زندہ آباد کے نعرے اس کا پرچم بننے لگے۔ جو ورثہ غالب و ذوق۔ آتش و ناسخ۔ سرشار و چکبست ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں وہ سر آنکھوں پر رکھنے اور کلیجے سے لگائے رکھنے کے قابل ہے۔ ہم اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے لیکن ہم اس حقیقت کے آگے آنکھیں بند نہیں کر سکتے کہ غالب اور ناسخ کا دور اب بیت چکا۔ سرسید احمد خاں۔ حالی۔ شبلی اور محمد حسین آزاد کا دور بھی اب بیتا جا رہا ہے۔ اب جمہوریت اور سائنس کے اس دور میں کہ جب جمہور ہمارے غلام نہیں بلکہ آقا ہیں ؛ ہی زبان اور

ادب پھل پھول سکتا ہے کہ جو اس کی زندگی کے دھارے سے قریب ہو۔ اور وہی زبان رائج ہو سکتی ہے جس کو وہ اپنا سکیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ادب اور زبان کو ان پڑھ جمہور کی سطح تک گرانا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ادیب اپنے عالی مقام سے اتر کر اور جھک کر جمہور کو اونچی سطح پر اٹھاتا ہے اور جمہور کی کثیر آبادی تک اپنے لٹریچر اور زبان کو پہنچاتا ہے اسی لئے زبان کے مسئلے پر میرا عقیدہ، اصول اور مسلک یہ ہے کہ اس دور میں اردو کو اپنی نئی تشکیل ایسی وسیع پیمانے پر کرنی ہوگی کہ جو ایسی آسان ہو کہ جس کو جمہور اپنا سکیں اور یہ نئی تشکیل اس طرح کرنی ہوگی کہ جو اردو زبان کو زیادہ سے زیادہ ملک کی آبادی تک پہنچا سکے یعنی اردو لٹریچر کو اردو فارسی رسم الخط کے علاوہ جس کا اردو لٹریچر سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ اب لازم ہے کہ اس کی معیاری اور مقبول کتابوں کو ناگری اور رومن رسم الخط میں بھی شائع کرنا ہوگا۔"

اتر پردیش میں اردو کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے کول صاحب نے فرمایا کہ تقریباً ۶ برس ہوئے جبکہ اتر پردیش میں ہندی علاقائی اور سرکاری زبان قرار دی گئی تو ہمارا پہلا تجربہ یہ ہوا کہ ابتدائی درجوں کے مدرسوں سے اردو خارج کر دی گئی۔ یعنی کل تک جن مدرسوں میں جن بچوں کی مادری زبان اردو درج تھی اور وہ اردو کے ذریعے تعلیم پا رہے تھے راتوں رات مدرسے کے رجسٹروں میں ان کی مادری زبان ہندی درج کر دی گئی اور اردو ذریعۂ تعلیم باقی نہیں۔ جو لڑکے اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے ان کو اس بنا پر مدرسوں میں داخل نہیں کیا جاتا تھا کہ اردو پڑھائی کا مدرسے میں کوئی انتظام نہیں اور یہ باوجود اس کے کہ حکومت ہند اس پالیسی کا اعلان کر چکی تھی کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں دی جائے اور بچوں کی مادری زبان وہی سمجھی جائے جو ان کے والدین بتائیں۔ طرفہ تماشہ یہ کہ اتر پردیش کی حکومت نے بھی اس پالیسی کا اقرار کیا تھا۔ اردو کے متعلق اور اس کے خلاف اور بھی بے عنوانیاں ظاہر ہو رہی تھیں اس صورت حال سے آگاہ ہو کر انجمن ترقی اردو ہند نے جو اردو کا سب سے پرانا، ذی اثر، اور مشہور ادارہ ہے اپنی ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ وہ حالات کی معتبر طریقے سے تحقیقات کرے اور اس کمیٹی کی رپورٹ پر جو شکایات کو صحیح ثابت کرتی تھی۔ انجمن دس ہزار دستخط لیکر اتر پردیش کی وزیر تعلیم کی خدمت میں ڈیپوٹیشن لے کر گئی اور اپنی یادداشت ان کی خدمت میں پیش کی۔ خلاف توقع وزیر تعلیم نے شکایتوں کو بجا قرار دیا اور اس کے انسداد کا یقین دلایا چھ مہینے انتظار میں گزر گئے لیکن صورت حال میں کوئی فرق نہ آیا تب تھک کر انجمن ترقی اردو ہند نے فیصلہ کیا کہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان قرار دلوانے کے لئے اردو بولنے والوں کے بیس لاکھ دستخط اتر پردیش میں حاصل کئے جائیں اور دفعہ ۳۴۷ دستور آئین کے تحت صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان دستخطوں کے ساتھ یادداشت پیش کی جائے۔

ہمارا ڈیپوٹیشن صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صدر جمہوریہ نے بڑی ہمدردی اور خندہ پیشانی سے ہماری شکایتوں کو سنا اور ہمدردی ظاہر کی اور اپنی وزارت سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کا یقین دلایا۔ ہم سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس مہم کے تمام درد سر کا نتیجہ کیا نکلا؟ جس کی پر سر دست نہیں جتی آخری نتیجہ نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا اور اپنی جگہ پر یہ یقین ہے کہ نتیجہ بڑی حد تک خاطر خواہ نکلے گا اور مجھے یہ کہنے کی جرأت اس طرح ہوتی ہے کہ محض بیس لاکھ دستخطوں کے حاصل ہونے اور ڈیپوٹیشن کے صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے اتر پردیش کی حکومت میں چونکنے اور جاگنے کے کچھ آثار دکھائی دیتے ہیں جو کم از کم میری نگاہوں میں حوصلہ افزا ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ انجمن کی دستخطی مہم کامیاب رہی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جوں جوں ہماری تحریک تقویت پکڑتی گئی اردو کے مخالفین کا غصہ بڑھتا گیا۔ ہم تو اپنا کام خاموشی سے چلاتے رہے۔ اور کسی ہنگامے میں شامل نہ ہوئے لیکن اردو کے مخالفین نے جماعتی مہم کا پورا پروپیگنڈہ کیا اور اپنے غم و غصے کا اظہار اس طرح کیا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بد حواس ہو رہے ہیں۔

ایک اور واقعہ بھی اس سلسلے میں جو کہ عجیب و غریب نہیں اور بہت کچھ معنی خیز ہے بیان کر دوں۔ جب ہمارا وفد صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس آ چکا تھا تو اتر پردیش کی لیجسلیٹو کونسل میں زبان کی بحث کے دوران میں شری سمپورنانند سابق وزیر تعلیم اور موجودہ ہوم منسٹر نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ممبروں نے دوران بحث اردو کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اردو تو کوئی زبان ہی نہیں۔ شری سمپورنانند جی کے یہ الفاظ ابھی کانوں میں گونج ہی رہے تھے کہ ایک ہفتے کے اندر ہی شری گوبند بلبھ پنت چیف منسٹر اتر پردیش نے لیجسلیٹو اسمبلی میں تقریر فرماتے ہوئے اپنے ہوم منسٹر کے بیان کی تردید ان الفاظ میں کی کہ:

"اردو تو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ اس دیس کی زبان ہے یہیں پھولی پھلی اور سب ہی قوموں میں بولی جاتی ہے اس کا تعلق کسی خاص فرقے سے نہیں ہم اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس کی بہتری کے لئے کوشش کرنا ہمارا فرض ہے"

ڈیپوٹیشن سے لکھنؤ واپس آنے کے بعد اخبار میں ایک خبر یہ بھی پڑھی کہ اتر پردیش کی حکومت نے ایک افسر انسپکٹر کے درجے کا خاص اس غرض سے مقرر کیا ہے کہ وہ مدرسوں کا معائنہ اور جانچ کر کے رپورٹ کرے کہ اردو میں ابتدائی تعلیم دینے کی جو پالیسی حکومت کی ہے اس کا نفاذ کہاں تک ہو رہا ہے اور اس کی تعمیل میں اس معاملے میں کیا کیا بے عنوانیاں ہو رہی ہیں۔

یہ بھی ایک فال نیک ہے۔ اردو کے مخالفین اور اتر پردیش کی حکومت کے متعلق جو تجربے ہم کو دستخطی مہم کے دوران میں ہوئے ہیں وہ یوں تو بہت چھوٹی چھوٹی باتیں لیکن نتیجہ خیز تھیں۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ جوتے کی کیل کہیں نہ کہیں پاؤں میں چبھ رہی ہے اور یہ خلش پیدا کر رہی ہے اس سے بہتر اور نمایاں ثبوت ہماری مہم کی کامیابی کا اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہ نکتہ یاد رکھنے بلکہ پورے طور سے ذہن نشین کرنے کا ہے کہ گورنمنٹ سے چمٹنے کے لئے محض حکومت کو ہمیرا کہنے سے کام نہیں چلتا اور نہ چلے گا۔ کون جانتا ہے کہ اگر کل کو حکومت کی باگیں ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں آجائیں تو ہم اور آپ بھی اسی مخمصے میں نہ پڑ جائیں گے۔

آخر میں دو چار کلمے میں ایک ایسے مسئلے کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس کا تعلق براہ راست گو ہماری زبان کے مسئلے سے نہ ہو لیکن جو ہمارے تہذیب و تمدن کے مسلک کا بنیادی اصول ہے میں نہ تو کوئی نئی بات کہہ رہا ہوں نہ پہلی مرتبہ کہہ رہا ہوں۔ میری نگاہ میں اس کی اہمیت ایسی ہے کہ اس کا بار بار دہرانا کوئی عیب نہیں بلکہ ثواب ہے یہ تو آپ مانیں گے کہ زبان اور کلچر کا چولی دامن کا ساتھ ہے خواہ پاکستان ہو کہ ہندوستان، ہماری زبان اور ہمارا کلچر زمانہ کے چلن ہی کے ڈھونڈنے میں ڈھلے گا۔ اس سے مفر نہیں۔ عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کے تہذیب و تمدن کا اٹھان اور اس کا چلن ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں بناؤ اور بگاڑ دونوں ہی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ لڑائی جھگڑا بھی رہتا ہے اور پھر میل ملاپ بھی ہو جاتا ہے۔ یہی راستہ ہے کہ بگاڑ کی عارضی روش کو چھوڑ کر بناؤ اور سنوار کے چلن پر چلا جائے جو شیلی جبلتوں کو چھوڑ کر دل و دماغ والے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں اور اگر ہمیں ترقی کے راستے پر چلنا ہے تو ایسا ہی کرنا ہوگا۔ ہماری تاریخ اور تمدن کی جلدوں میں اب سے اس طرح خالی نہیں پڑے ہیں کہ ہم من مانی جو چاہیں لکھیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کو پرانا واسطہ اور راستہ پورپی دلیسوں اور چھپی ولایتوں کی ڈھیر ایسی تاریخی روایتیں ہیں کہ جو بار اغذ ہو چکی ہیں ان کو اب حرف غلط کی طرح مٹایا نہیں جاتا اور جو نقش پھول بوٹے اسلامی دور کے اور رنگ گہرا مغربی یا فرنگی طبیعت چاہے یا نہ چاہے ہیں اسے ماننا پڑے گا۔ آج ہندوستان میں ہندو راشٹریہ اور پاکستان میں شرعی حکومت کے سپنے دیکھنا عقل کی بات نہیں ہماری حکومت غیر مذہبی اور دستوری طرز کی ہوگی جس میں اشتراکیت کا عکس بھی دکھائی دیتا ہوگا۔ ہماری زبان دسنسکرت میں رچی ہوئی ہندی نہ فارسی اور عربی زدہ اردو بلکہ سیدھی سادی ہندوستانی ہوگی کہ جسے کہ عام لوگ اپنا سکیں۔ ہمارا کلچر ایسا گنگا جمنی ہوگا کہ جس میں نہ صرف اسلامی دور کے نقش و نگار نظر آتے ہوں بلکہ جس میں مغربی اور نئی روشنی کی کرنیں اور تاریں بھی جھانکتی ہوں۔ پرانے زمانے کی تاریخ اور نئے دور کی روشنی نے ایسا ہی مقدر کیا ہے اس کو مٹایا نہیں جا سکتا۔

فرقہ وارانہ جوش اور مذہبی تعصب کی آگ بھڑکا کر آپ ابھی کچھ عرصے تک عام لوگوں کی جہالت اور بے مائگی سے فائدہ اٹھا کر ملک کی ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں ضرور ڈال سکتے ہیں۔ ابھی بہکے ہوؤں کو کچھ دن اور گمراہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زمانے کی روش اور افتاد ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے ترچھوں اور بانکوں کے بھی کس بلوں کے بل نکال دیتی ہے اور بالآخر سیدھے راستے پر لگا دیتی ہے۔ تمام دنیا میں آگے اور تمدن کی تاریخ کا یہی رویہ رہا ہے اور پھر آخر میں عقل کی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ

"زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز"

تقریر صدارت کے بعد مختلف اداروں اور تحریکوں اور زبانوں، دکھنی، کنڑی اور مرہٹی کے نمائندوں نے کانفرنس کے مقاصد کی تائید کرتے ہوئے تقریریں کیں۔

پنڈت شری رام شرما معتمد حیدرآباد ہندی پرچار سبھا نے کہا کہ ریاست حیدرآباد میں اترپردیش کی طرح ہندی اردو کا جھگڑا نہیں ہے۔ اس وقت ایک خاص فرقہ یا گروہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندی اور اردو کے سوال پر غور کرنے کا رواج ہو گیا ہے۔ حیدرآباد میں دونوں زبانوں کو الگ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ان دونوں زبانوں میں صرف تھوڑا سا فرق ہے۔ ہندی میں سنسکرت کے اور اردو میں فارسی کے اکثر الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں جبکہ دونوں زبانیں حیدرآباد میں ایک دوسرے کے قریب آجائیں گی اور یہ ریاست ہندی اور اردو کا سنگم بن جائے گی۔

ناظم تعلیمات مسٹر دیشمکھ ادھو راؤ پاٹل ناظم تعلیمات نے صدر مرہٹواڑہ ساہتیہ پریشد کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اردو مرہٹواڑہ کے لئے نئی زبان نہیں ہے۔ مہاراشٹر کے لوگوں کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ انھوں نے دکھنی اردو کا پہلا شاعر ولی اورنگ آبادی پیش کیا۔ مرہٹی زبان صدیوں سے اردو اور فارسی سے قریب رہی ہے۔ اس وقت بھی کئی فارسی الفاظ مرہٹی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مرہٹی کو اردو اور فارسی ادب سے مزید مالا مال کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ حیدرآباد ہمیشہ سے کئی زبانوں کی ریاست رہا ہے اور موجودہ حالات میں مرہٹی کے عالموں کو ترقی دینے کا اچھا موقع ہے۔

شری ہنمنت راؤ معتمد آندھرا سرسوتا پریشد نے کہا کہ حیدرآباد میں پریشد ریاست میں بولی جانے والی تمام زبانوں کو مستحق مقام دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

قاضی عبدالغفار نے بحیثیت جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کانفرنس کے مقاصد کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ حیدرآباد سے ان کا دیرینہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ وہ اسٹیج فارم پر باہر کے آئے ہوئے مہمان کی حیثیت سے تقریر کرنے کی بجائے ایک

حیدرآبادی کی حیثیت سے تقریر کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حیدرآباد اس مشترک تہذیب و تمدن کی یادگار ہے جس پر ہمارے ملک کا نیا دستور اساسی مبنی ہے اس لئے اس مشترک تہذیب کو اور اس تہذیب کی مشترک زبان (اردو) کو محفوظ رکھنا حیدرآبادیوں کا پہلا فرض ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں جب میں حیدرآباد کی تہذیبی روایات کا مقابلہ شمالی ہندوستان کے موجودہ حالات سے کرتا ہوں جہاں ایک جماعت اس قدیم یادگار کو مٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔

شاندار عطیات

قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں اردو کے لئے دو شاندار عطیوں کا اعلان کیا ایک تو ۱۲ ہزار کی ایک زمین جو اردو کے دفتر کا مکان تعمیر کرنے کے لئے دی گئی ہے (یہ عطیہ دراصل مولوی حبیب الرحمٰن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو حیدرآباد کا ہے) اور دوسرا دو ہزار روپے کا عطیہ جو مولوی سجاد مرزا صاحب نے عمارت بنانے کے لئے دیا ہے۔ حاضرین نے پورے جوش کے ساتھ ان عطیات کے اعلان کا خیر مقدم کیا۔ قاضی صاحب نے اہل حیدرآباد سے اپیل کی کہ وہ اردو کے لئے عمارت کی تکمیل میں فراخدلی سے چندے دیکر حیدرآباد کا نام روشن کریں۔

کمیونسٹ لیڈر کی تائید

مسٹر وی۔ ڈی۔ دیشپانڈے لیڈر مخالف جماعت اسمبلی نے کہا کہ وہ آزاد ہند میں انگریزی زبان کے تسلط کے سخت مخالف ہیں وہ حیدرآباد کی تمام زبانوں کی ترقی کے حق میں ہیں۔ اس لئے تمام زبانوں کو ترقی کا ہر طرح کا موقع دیا جانا چاہئے۔

مسٹر دیشپانڈے نے کہا کہ ملک میں ہر زبان کو پھولنے پھلنے کا حق ہے (تالیاں) کسی بھی زبان کی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی جانی چاہئے۔ صرف ایک زبان جو انگریز حکمرانوں نے اہل ہند پر مسلط کی تھی اس کی مخالفت اور مقامی زبانوں کی نشو و نما اور ترقی کے لئے سب کو مل جل کر کام کرنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں ایک ایسے سماج کے قیام کے لئے ان کی جماعت کام کر رہی ہے جس کی بنیاد اتحاد اور اتفاق پر ہو۔

مسٹر دیشپانڈے نے کہا کہ ماضی میں حکومت حیدرآباد نے مقامی زبان میں یونیورسٹی تعلیم کا انتظام کرکے سارے ملک کے لئے قابل تقلید مثال قائم کی تھی۔ آج پھر حیدرآباد ہی زبان کے مسئلہ میں سارے ملک کے لئے نظیر پیش کر سکتا ہے (زوردار تالیاں) اسمبلی میں ایک رکن کے حال ہی میں دیئے ہوئے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے کہ اردو ریاست کی کوئی زبان نہیں ہے۔ مسٹر دیشپانڈے نے کہا کہ اردو مرہٹی، تلگو اور کنڑی کی طرح ایک علاقائی زبان ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نہ صرف ابتدائی اور ثانوی مرحلے میں بلکہ جامعاتی مرحلے میں بھی اردو کو باقی رکھنا چاہئے۔

قومی ترانہ اور مسٹر گوپال راؤ ایکبوٹے وزیر تعلیم کے ہاتھوں اردو ادب کی نمائش کے افتتاح کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس ختم ہوا۔

اردو کانفرنس حیدرآباد کی

ضروری قراردیں

حیدرآباد۔ ۳ مئی۔ کل حیدرآباد اردو کانفرنس کے کھلے اجلاس نے آج شام تقریباً (۴۰) لاکھ ریاستی عوام کی بول چال میں استعمال ہونے والی زبان اردو کو ریاست کی اہم زبان کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا۔

قرارداد کی تائید میں مسز رمن راج سکسینہ، محمد مہدی، پی رامانج راؤ، سید آنند جرا سرسوت پرشاد نے تقریریں کیں۔ کانفرنس نے حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

محرک مسٹر حبیب الرحمٰن معتمد انجمن ترقی اردو نے کہا، اردو کو قبول عوام پر نافذ کرنے سے متعلق اور اس کو اس زمانے میں فوقیت دینے کے متعلق ابھی تک بعض لوگوں کے درمیان کچھ خیالات موجود ہیں لیکن اب پرانے دکھڑے رونے کا زمانہ نہیں ہے اور نہ اردو بولنے والوں کو مایوس ہونے کی ضرورت ہے۔ ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ صرف اردو ہی نہیں بلکہ دوسری علاقائی زبانیں بھی سیکھیں۔

گزشتہ چند سال میں ہندوستان اور خاص طور پر حیدرآباد میں جو تبدیلیاں آئی ہیں ان کی وجہ سے اردو زبان اور ادب کے ماضی اور مستقبل کے متعلق طرح طرح کے مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اردو زبان حیدرآباد کی آبادی کے کسی حصہ کی بھی زبان نہیں ہے۔ اور یہ صرف پرانے دور حکمرانی کی پیداوار ہے اس لئے اب اسے زندگی کے کسی شعبے میں بھی جگہ نہیں دی جا سکتی۔ دوسری طرف ابھی تک کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جنھیں اس کا افسوس ہے کہ اردو زبان کی وہ حیثیت باقی نہیں جو سابقہ دور میں اسے حاصل تھی۔ یہ کانفرنس ان دونوں رجحانات سے خلاف ہے اور اسی کے پیش نظر حیدرآباد اردو کانفرنس کا یہ عام اجلاس حسب ذیل باتوں کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اردو سینکڑوں سال سے حیدرآباد کی آبادی کے ایک حصہ کی بول چال اور علم و ادب کی زبان ہے اور آج بھی مجموعی طور پر ریاست حیدرآباد کے ایک اہم اور قابل لحاظ تعداد کی مادری زبان ہے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعداد کے مطابق ریاست میں ۲۱،۵۹،۲۱۴ افراد کی مادری زبان اردو ہے جو ریاست کے مختلف لسانی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً ۲۲ لاکھ افراد اردو کو ذیلی زبان کی حیثیت سے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے

اردو کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ اردو کو ریاست کی ایک اہم زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے اور اردو بولنے والوں کو ان کے تمام بنیادی جمہوری حقوق کی ضمانت دی جائے جن کے اہم نکات یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

(ا) جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے انھیں ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک اردو زبان میں تعلیم کی سہولتیں پہنچائی جائیں۔

(ب) اردو میں لکھی ہوئی عرضیاں ریاست کی عدالتوں اور دفتروں میں قبول کی جائیں۔ اور ان پر توجہ کر کے ان کا فیصلہ کرانے کی آسانیاں مہیا کی جائیں۔

(ج) حکومت کے شائع کردہ ضروری اعلانات، قوانین اور مطبوعات اردو میں بھی شائع کی جائیں۔

(د) حیدرآباد، سکندرآباد اور دوسرے ایسے شہروں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد موجود ہے۔ میونسپل بورڈ کے کاروبار مقامی زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی کئے جائیں۔

(ہ) ایسے تمام سرکاری ملازمین کو جن کی سرکاری زبان اردو ہے متعلقہ علاقائی زبان سیکھنے کی مناسب سہولتیں دی جائیں۔

(س) اردو کے علمی، تعلیمی اور صحافتی اداروں کو حکومت کی طرف سے مناسب امداد دی جائے تاکہ ان کی ہمت افزائی ہو۔

(ص) اردو کے ایسے اہل قلم اور اہل علم حضرات کی جو اپنی قابلیت کی وجہ سے ممتاز ہیں ریاستی حکومت کی طرف سے انعامات اور عطیوں کے ذریعے ہمت افزائی کی جائے۔

(ک) پبلک سروس کمیشن کی طرف سے سرکاری ملازمتوں کے لئے جو اعلانات کئے جاتے ہیں ان میں جہاں تلگو، مراٹھی اور کنڑی زبانوں سے واقفیت کی شرائط رکھی جاتی ہیں وہاں اردو کو بھی شامل کیا جائے تاکہ اردو زبان کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

(۲) یہ کانفرنس اس بات کا اعلان کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ اردو کسی دوسری علاقائی زبان کے راستے میں حائل نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اردو بولنے والے علاقائی زبانوں کی ترقی چاہتے ہیں، کیونکہ تمام زبانوں کی آزادانہ ترقی ہی ملک کی تہذیبی اور کلچرل ترقی کی ضامن ہے۔ اردو تمام زبانوں کی جمہوری برادری ہی میں پھلنا اور پھولنا چاہتی ہے۔ یہ کانفرنس تمام اردو بولنے والوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ایسی ہی برادرانہ فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں اور علاقائی زبانوں کو سیکھ کر متعلقہ علاقوں کی مشترکہ تہذیبی زندگی کا حصہ بننے کی کوشش کریں۔ یہ کانفرنس تمام زبانوں کے لوگوں اور خاص طور پر تلگو، مراٹھی، کنڑی اور ہندی کے ادیبوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ہمارے ان جمہوری مطالبات کی تائید کریں تاکہ اردو کو اس کا جائز مقام حاصل ہو سکے اور اردو اخبارات کو حکومت کی مالی امداد بصورت سرکاری اشتہارات مساوی طور پر دی جائے۔

مسٹر من راج سکسینہ نے قرارداد کی تائید کی۔

کانفرنس نے مزید چار قراردادیں منظور کیں جن میں عدالتی زبان کی حیثیت سے اردو کے استعمال کی اجازت دینے، مادری زبان کے ذریعے ابتدائی درجوں سے لیکر اعلیٰ ترین درجوں تک تعلیم پانے کے جمہوری حق کو تسلیم کرنے اور اس کے لئے ضروری اقدام کا مطالبہ کیا گیا۔

اردو کی خبریں

احمد آباد انجمن ترقی اردو احمد آباد کے زیر اہتمام علامہ محمد اقبال مرحوم و مغفور کی یادگار میں یکم مئی ۱۹۵۵ء بروز سنیچر یوم اقبال منایا گیا۔ جس میں ہندی اور اردو داں مقررین حضرات نے ان کے کلام اور پیغام پر روشنی ڈالی۔ تقاریر کے اختتام پر ایک مشاعرہ بھی ہوا۔

جے پور احترام الدین احمد صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو جے پور اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

شب گزشتہ کو انجمن ترقی اردو شاخ ہذا کا سالانہ جلسہ اس کے دفتر واقع حویلی ممتاز الدولہ بہادر پر بوقت ۹ بجے شب منعقد ہوا جس میں حسب ذیل کارروائی عمل میں آئی۔

نیاز مند نے بحیثیت سیکریٹری اپنی سالانہ رپورٹ پیش کی اس کے بعد جناب پنڈت ہری کرشن صاحب زتشی ایم۔ اے سابق ڈائرکٹر آف ایجوکیشن ریاست جے پور و ریٹائرڈ ایجوکیشن سیکریٹری گورنمنٹ راجستھان کا انتخاب انجمن ہذا کی مجلس عاملہ کے لئے بالاتفاق عمل میں آیا اس کے بعد چند تجاویز بھی منظور کی گئیں۔ بالخصوص ہر محلے میں اردو کے تعلیمی مرکز جاری کیا جائے اور شعراء و ادباء پر اس بات کا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ گل و بلبل کی شاعری کو خیرباد کہکر ترقی و ترویج اردو میں اپنا زور تخیل و قلم خرچ کریں۔

اس کارروائی کے بعد خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ اس میں بھی خاص طور پر اس بات پر زور دیا گیا کہ اردو کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ حکومت کا منہ تکتے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے نیز اس بات کی پوری احتیاط اور نگرانی رکھی جائے کہ جو صاحبان اپنی مادری زبان اردو کہتے ہیں ان کے رجسٹر ہائے رائے دہندگی، ریڈیو لائسنس وغیرہ وغیرہ میں جہاں بھی مادری زبان کا سوال آئے وہ اردو ہی لکھائیں اور یہ دیکھ کر اطمینان کر لیں کہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی دوسری زبان تو نہیں لکھ دی گئی ہے۔

تقریباً ۱۵۰ سو اصحاب کے مجمع میں یہ تجاویز پاس ہوئیں اور رپورٹ اور خطبہ پڑھا گیا۔ شرکاء میں ہندو مسلم سکھ بلا تفریق مذہب و ملت برابر کے شریک تھے۔ باعث مسرت یہ ہے کہ کسی بھی معاملے میں

کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا چنانچہ باتفاق رائے طے ہوئے اور باحسن الوجوہ یہ جلسہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

اس کے بعد مولوی سید معشوق حسین صاحب اطہر کے اعزاز میں مشاعرہ بھی ہوا جو نہایت گرم رہ کر ایک بجے شب کو ختم ہوا۔

امروہہ ۱۳ر اپریل ۱۹۵۸ء بروز اتوار بوقت ۸ بجے شب شعبہ خواتین انجمن ترقی اردو امروہہ کا دوسرا ماہانہ ادبی اجتماع بر مکان جناب حافظ فریدالدین صاحب رئیس امروہہ منعقد ہوا جس میں تقریباً دو سو سے زائد خواتین نے شرکت کی۔

گزشتہ جلسے کی کارروائی مصدق ہونے کے بعد مختلف موضوعات پر نظمیں، مضامین اور افسانے پڑھے گئے۔

فخر النسا بیگم سکریٹری انجمن نے "میرا پسندیدہ شاعر غالب" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں مرزا غالب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر قابلیت کے ساتھ اظہار خیال کیا، نیز ان کی نثر و نظم پر تبصرہ بھی کیا۔ مقالہ بہت پسند کیا گیا۔ تفضل فاطمہ صاحبہ نے اپنے مضمون میں اردو کے غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کی قابل قدر مساعی کا شکریہ ادا کیا۔ حامدہ بیگم صاحبہ بعنوان "چودھویں صدی" اور اقبال بیگم صاحبہ نے تعلیم نسواں پر اپنا افسانہ و مضمون پڑھا۔ راحت النسا بیگم اور آسیہ سلیم صاحبہ نے ابوالمزاح شہباز بلند پرواز کی ایک مزاحیہ نظم پڑھی جس نے جلسے کو زعفران زار کا نمونہ بنا دیا۔

۱۰½ بجے صدر صاحبہ کے شکریے کے بعد جلسہ ختم ہوا۔ اختتام جلسہ پر محترمی بیگم صاحبہ داعی جلسہ نے تمام خواتین کی چائے و پان سے تواضع کی۔

(نامہ نگار)

بتاریخ ۵ر مئی ۱۹۵۸ء بروز دوشنبہ بوقت ۸ بجے شب شعبہ خواتین انجمن ترقی اردو امروہہ کا تیسرا ماہانہ جلسہ بر مکان عالی جناب محمد لیسین صاحب قریشی صدر میونسپل بورڈ و رئیس شہر منعقد ہوا جو ½۱۱ بجے رات تک جاری رہا اور جس میں تقریباً ۸۰ خواتین نے شرکت کی۔ جلسہ کا افتتاح لڑکیوں کی ایک پارٹی نے ایک دعا کے ساتھ کیا۔ بعد ازاں سکریٹری انجمن نے گزشتہ جلسے کی کارروائی پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد تقریباً ۸ خواتین نے مضامین، افسانے اور مقالے پڑھے اور ۶ چھوٹی بچیوں کے علاوہ ۱۲ خواتین نے مختلف موضوعات پر نظمیں سنائیں۔

مضامین کا بیشتر حصہ اردو زبان کے متعلق تھا۔ رابعہ خاتون صاحبہ نے "دل" کے عنوان سے ایک مضمون پڑھا اور حامدہ بیگم صاحبہ نے "بیوہ" کے عنوان سے ایک افسانہ پیش کیا۔ آخر میں محترمہ صادقہ بیگم صاحبہ صدر انجمن نے مثنوی سحرالبیان پر ایک تنقیدی مقالہ پڑھا جس میں اس مثنوی کے پلاٹ اور شاعرانہ محاسن اور معائب پر روشنی ڈالتے ہوئے مثنوی کے بہت سے اشعار مثال کے طور پر پیش کئے۔ مقالے پڑھنے کے بعد

صدر موصوفہ نے خواتین کو اردو کے اعلیٰ امتحانات مثلاً قابل ادیب وغیرہ میں شرکت کی ترغیب دی اور تیاری امتحانات کے سلسلے میں انجمن کی ہر طرح کی امداد دینے کا اعلان کیا۔ جلسہ ختم ہونے پر کھول بیگم صاحبہ دختر جناب چیئرمین صاحب کی طرف سے تمام حاضرین کی شربت، مٹھائی اور پان سے تواضع کی گئی۔

کرنول کرنول ۲۹ر اپریل ۱۹۵۸ء سید غوث محی الدین منیب قریشی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول تحریر فرماتے ہیں کہ جنوبی ہند کے سر سید ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی دعوت خاص پر مدراس جاتے ہوئے حضرت خیر بہوروی مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) ۲۰ر اپریل کو کرنول تشریف لائے۔ اسٹیشن پر عثمانیہ کالج کے اساتذہ سید مظفر علی صاحب زیدی لکچرار اردو، سید قیصر پاشا صاحب قادری لکچرار اردو، حکیم عبدالستار صاحب عرشی اور یوسف صاحب نے حضرت خیر بہوروی کا خیر مقدم کیا۔

شب میں انجمن ترقی اردو کرنول کی طرف سے کرنول کے حامیان اردو کا ایک اجتماع عثمانیہ کالج ہوسٹل کے صحن میں منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے فرمائی اور متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ماہ جون کے آخری ہفتے میں آندھرا کے حامیان اردو کا ایک نمائندہ اجلاس کرنول میں کیا جائے کیونکہ اس موقعے پر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی صدر انجمن ترقی اردو (ہند) اور قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) نے بھی کرنول آنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ آندھرا میں زبان کا مسئلہ بڑا اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ اس کا حل سوچنا نہایت ضروری ہے۔ قرارداد کے منظور ہونے کے بعد صدر محترم کے ارشاد کی تعمیل میں کرنول کے حسب ذیل شعرا نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

سید مظفر علی زیدی صاحب۔ طلعت اللہ خاں صاحب نواب۔ محمود خاں صاحب محمود۔ جناب فیر صاحب۔ خاکسار غیاثی اور عبدالرحمن خاں صاحب ناصر جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول۔

آخر میں خیر بہوروی صاحب نے اپنی تقریر میں زبان کے مسئلے کی اہمیت، اس کی خدمت کے طریق کار کی وضاحت فرمائی اور بتایا کہ بدلے ہوئے حالات میں جبکہ ہمارے ذہن و فکر اور سوچنے کے انداز بھی بدل گئے ہیں، اردو والوں کو اردو کی حفاظت اور ترقی کے لئے کس طرح کام کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ آپ نے اخبار "ہماری زبان" اور انجمن کی مطبوعات کی اشاعت بڑھانے کی اپیل کی۔

مدراس ۱۰ مئی ۱۹۶۵ء ۔ مولانا خیر بہوروی مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ کی تشریف آوری کے موقع پر مدراس کے حامیان اردو کا ایک جلسہ جناب اے جے جلال الدین صاحب سکریٹری اے جے سیمینار کے مکان پر منعقد ہوا۔

صدارت مولانا الحاج سید عبدالوہاب صاحب بخاری ایم اے نے فرمائی اور بہ تحریک حیدر علی خاں صاحب ایم اے اور بہ تائید مولانا الحاج ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایم۔ اے۔ ڈی فل یہ قرارداد منظور کی گئی کہ:

مدراس میں مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ قائم کی جائے جس کا مرکز سے باقاعدہ الحاق ہو اور وہ شاخ جنوبی ہند میں مرکزی ہدایات کی روشنی میں اردو کے تحفظ اور بقا کی سعی کرے اور جلد سے جلد ریاستی شاخ کی بنیاد ڈالے۔

اس قرارداد کی اہمیت پر ڈاکٹر مولانا عبدالحق صاحب نے اپنے پرجوش بیش بہا خیالات ظاہر فرما کر تائید فرمائی۔ دوسری تجویز بہ تحریک مولوی محمد عبدالباری صاحب حاوی اور بہ تائید حاضرین یہ منظور کی گئی کہ

مدراس کی شاخ کے قیام کے سلسلے میں ابتدائی کام کرنے کے لئے نو آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو ممبر سازی کے بعد شاخ کے عہدیدار اور اراکین کا انتخاب کر کے مرکزی انجمن سے الحاق کرائے اور اس کے کنوینر جناب اے جے جلال الدین صاحب بنائے جائیں، جو ایک ہونہار اور جواں بخت اردو کے خادم ہیں اور جنھوں نے اپنے والد مرحوم کی یادگار میں صرف اردو کی خدمت کے لئے ایک اردو سیمینار قائم کیا ہے جس میں اس وقت مختلف فنون و علوم کی تقریباً ۷۵۰ اہم کتابیں ہیں۔

اس تجویز کی تائید میں مولانا انور صابری صاحب نے فرمایا کہ کسی کی تعریف اس کے منہ پر کرنا شرعی نقطۂ نگاہ سے مذموم ہے۔

لیکن اے۔ جے جلال الدین صاحب نے اپنی اس کم سنی کے عالم میں علوم و فنون کی ترقی و اشاعت کے جذبات کے تحت اردو ادب کی خدمت کا جو بیڑا اٹھایا ہے اس کے پیش نظر

ان کی ہمت کی داد دیتا ہوں اس خیال سے کہ ان کو دیکھتے ہوئے دوسرے نوجوان بھی اس قسم کے کار خیر میں حصہ لے سکیں اور نوجوانوں کی ہمت افزائی ہو۔ اس کے بعد انھوں نے فی البدیہہ حسب ذیل نظم اپنے مخصوص والہانہ انداز میں سنائی۔

مبارک سلامت جمال جلال — کیا وقف بہت سیمینار ہال
یہاں جمع ہے با شعور کمال — کتابوں کا مجموعہ بے مثال
خوشا جذبۂ قلب عبدالوہاب — بھرا دل میں عشق رسالت مآب
بڑھایا سکون شہر مدراس کا — منور کیا نام مدراس کا
[illegible] — رہے اس کو الطاف یزداں کا ساتھ
ملے کاملوں کو مقام دوام — سدا اس کے اب میں کرو یہ کلام

تجویزوں کے منظور ہونے کے بعد مولانا خیر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس وقت انجمن ترقی اردو کے ذمے ایک طرف اردو کی ترویج و اشاعت اور اس کام کی ذمہ داریاں ہیں تو دوسری طرف اردو کے مخالفین کی پر امن مخالفت کے ساتھ اردو کے محاسن کے اجاگر کرنے کے فرائض ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ انجمن کی مجلس نظامیہ میں مدراس کی مایہ ناز ہستی مولانا ڈاکٹر عبدالحق صاحب بھی ہیں اور انجمن کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں اور نائب صدر پنڈت دتاتریہ کیفی صاحب ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے ہندو مسلمان مشترکہ ورثے کے تحفظ و بقا کے واسطے شب و روز مصروف عمل ہیں۔

انجمن کی یہ کوشش ہے کہ اردو ادب میں ہندوستان کی مشہور زبانوں کے خیالات اور محاسن منتقل کئے جائیں اور اس کے ساتھ زبان اردو کے اعلیٰ تخیلات کو بھی یہاں کی دوسری زبانوں میں منتقل کیا جائے چنانچہ ہندوستان کی کئی زبانوں میں انجمن نے اپنی زبان کے اعلیٰ تخیلات کو منتقل کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ انجمن کے کاموں میں رکاوٹ کا سبب یہ ہے ۔۔۔ کہ اسے ہندی کا حریف قرار دیا گیا ہے اس لئے اردو سے دشمنی برتی جاتی ہے۔ شمالی ہندوستان کے اکثر مقامات میں اس کے خلاف مظاہرے کئے جاتے ہیں۔ اردو کو یوپی کی صوبائی زبان بنانے کے متعلق وہاں کے ہندو مسلمان علم دوست حضرات نے جو اہم قدم اٹھایا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے ۔۔۔ بیس لاکھ دستخط ایک محضر کے ساتھ صدر جمہوریہ ہند بابو راجندر پرشاد کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ یہی کام صوبہ بہار میں بھی ہو رہا ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اردو ہندی کی حریف نہیں ہے بلکہ اس کی آبرو اور شان بڑھانے میں کوشاں ہیں۔

رسم الخط کا ذکر کرتے ہوئے مولانا خیر صاحب نے فرمایا کہ اس مسئلے کی اہمیت کو بہت سے لوگوں نے نہیں سمجھا ہے۔ گاندھی جی نے اس کے گر کو سمجھا تھا اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ اردو کا رسم الخط بھی باقی رہے اور ناگری بھی جاری رہے۔ مہاتما جی کو معلوم تھا کہ رسم الخط کے بدل جانے سے زبان کی روح بدل جاتی ہے۔ اور اس زبان کے وقار کو ناقابل برداشت دھکا لگتا ہے۔ ایسی زبان جس کا رسم الخط بدل جاتا ہے اپنی گوناگوں خوبیوں کے باوجود ختم ہو جاتی ہے۔ شاخ کے قیام کے سلسلے میں جن نو آدمیوں کی کمیٹی بنائی گئی ہے ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) حیدر علی خاں صاحب ایم۔ اے (۲) الحاج انوار الحق صاحب ایم اے (۳) محمد عبدالباری صاحب حاوی (۴) کے۔ ایس سلطان محی الدین صاحب (۵) سلطان بیگ صاحب (۶) محبوب بادشاہ صاحب (۷) یعقوب حسین صاحب (۸) رحمت اللہ سیٹھ صاحب (۹) محمد یوسف صاحب

اے جے جلال الدین کنوینر

پبلشرز: قاضی عبدالغفار صاحب مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹرز: نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ